بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رفیع الدین، ایم اے
پی۔ ڈی۔ ڈی لٹ،

منشورِ اسلام

یعنی اسلام کی تشریح ایک ایسے نظریہ زندگی کی حیثیت سے جو آخر کار لازماً پوری دنیا میں پھیل کر رہے گا۔

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَیَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَہٗ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ

یہ (کفار و مشرکین) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی بُری نہ لگے۔

اللہ ہی تو وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق، (سچے نظریۂ حیات) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین حق کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکوں کو کتنی ہی ناخوشی کیوں نہ ہو۔

(سورہ توبہ: آیات ۳۲، ۳۳)

تعارف

عالمی معاملات میں موجودہ بحران جس کی وجہ سے تہذیب کی کامل بربادی کا ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کی مکمل تباہی کا خطرہ بھی لاحق ہو گیا ہے، نوع انسانی کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اس کا علاج دریافت کریں۔ حال ہی میں انہیں مذہب سے یکایک از سر نو دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور وہ اس سوال کا جواب تلاش کر رہے ہیں کہ کیا اگر مذہب کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو وہی انسانوں کے لیے ان

خطرات اور مصائب سے محفوظ رہنے کے لیے واحد پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے جو آج ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں ؟

دوسری طرف مسلمان ساری دنیا کے سامنے علی الاعلان اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ صرف اسلام ہی وہ نظریۂ حیات ہے جو نسلِ انسانی کو مستقل اور مکمل طور پر متحد کر سکتا ہے۔ دنیا میں پائدار امن و امان قائم کر سکتا ہے اور انسان کو اس کے ذہنی، اخلاقی، مادّی اور روحانی ارتقاء کی اس انتہائی منزل تک پہنچا سکتا ہے جسے پا لینے کی صلاحیت اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

لہٰذا قدرتی طور پر مسلمانوں کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائیں کہ :

اسلام کیا ہے ؟

اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کیا ہے ؟

اسلام کے دعاوی کی عقلی اور علمی بنیادیں کیا ہیں ؟

اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں ؟

اور وہ ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے کیا ذرائع اختیار کرتا ہے ؟

"منشور اسلام" انہی سوالوں کے مختصر جوابات پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔

لفظ "مینی فیسٹو" (منشور) عموماً کسی بادشاہ یا مملکت یا منظم انسانی جماعت کی طرف سے کسی ایسے اعلان کے معنی میں مستعمل ہوتا رہا ہے۔ جس کی رو سے عوام کو یہ بتانا مقصود ہو کہ ماضی میں کیا کیا کارنامے انجام دیے گئے ہیں اور آئندہ جن کارناموں کے انجام دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ ان کی تفصیلات اور وجوہات کیا ہیں ؟ لیکن گزشتہ سو سال سے یعنی جب سے "کمیونسٹ مینی فیسٹو" اشتراکیت کی عالمگیر تبلیغ کے آلہ کار کی حیثیت سے شائع ہوا ہے۔ (جس کے نتیجہ کے طور پر یہ نظریہ حیات اب فی الواقع دنیا میں ایک عظیم سیاسی طاقت کی شکل میں رونما ہو گیا ہے) اس لفظ کا یہ نیا مفہوم حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ایک ایسے تحریری اعلان پر دلالت کرنے لگا ہے جو عالمگیر قبولیت کی تمنا رکھنے والے ایک نظریۂ حیات کی تاریخی بنیادوں، اساسی اصولوں اور متوقع کامیابیوں کی تشریح کرتا ہے۔ میں نے اس لفظ کو اسی مؤخر الذکر معنی میں استعمال کیا ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے اصولوں کی تشریح کی

حیثیت سے اس کا موضوع تاریخ کے ایک ایسے نظریہ کی صورت اختیار کرتا ہے جو فطرتِ انسانی کے ایک تصور پر مبنی ہے۔ اور جس کی رو سے اسلام مستقبل کا وہ آخری اور عالمگیر نظریۂ حیات قرار پاتا ہے جو ناگزیر طور پر دنیا کے کناروں تک پھیل کر رہے گا۔ فطرتِ انسانی کے اس تصور کی مرکزی حقیقت یہ ہے کہ کسی نصب العین کی محبت کا جذبہ انسان کے تمام اعمال کی (حتیٰ کہ ان اعمال کی بھی جو بظاہر اس کی حیوانی جبلتوں کے منبع سے سرزد ہوتے ہیں) واحد، حقیقی اور بنیادی قوت محرکہ ہے اور یہ جذبہ ایک ایسے نصب العین کی محبت سے ہی مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہو سکتا ہے جو منتہائے حسن و کمال ہو۔

یہ حقیقت مارکس کے بنیادی فلسفہ سے ہی متصادم نہیں ہوتی۔ بلکہ فرائڈ، ایڈلر اور میک ڈوگل کے ان نفسیاتی نظریات سے بھی متصادم ہوتی ہے جن کو عصرِ حاضر میں بالعموم فطرتِ انسانی کے معیاری اور صحیح نظریات سمجھا جاتا ہے۔ اگر منشورِ اسلام کے پڑھنے والے ان حقائق کو زیادہ تفصیل کے ساتھ جاننا چاہتے ہوں جو ان تمام نظریات کے بالمقابل اس حقیقت کی سچائی کو (اور اس سے اخذ کیے ہوئے دوسرے فلسفیانہ تصورات کی سچائی کو بھی جو اس منشور میں زیرِ بحث آئے ہیں) تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ میری انگریزی کتاب مستقبل کا نظریۂ حیات (EOLOGY OF THE FUTURE) ملاحظہ فرمائیں۔ (شائع کردہ شیخ محمد اشرف تاجر کتب، کشمیری بازار لاہور)

محمد رفیع الدین

اسلام کیا ہے؟

اسلام کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اسلام اس نظریۂ حیات کا نام ہے جس کی تعلیم انبیاء کرام علیہم السلام ابتدائی زمانہ سے دیتے رہے ہیں۔ دنیا کے تمام خطوں میں بے شمار انبیاء کرام وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں تاکہ نوعِ انسانی کے تمام حصوں کو ان کے زمانہ کے حالات، ان کی زندگی کے واقعات اور ان کے ذہنی، اخلاقی اور معاشی ارتقا کے مقامات کے مطابق اس نظریۂ حیات کی تعلیم دیں۔

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵:۲۴)	اور کوئی امّت (قوم) ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔
وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا	اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیے

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (۴۰ : ۴۸)

ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے۔

ان انبیاء کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ کیا گیا ہے اور چونکہ ان سب کی دعوت بنیادی طور پر یکساں رہی ہے۔ اس لیے ہر نبی نے اپنے پیش رو انبیاء کی صداقت کی گواہی دی ہے اور اپنے بعد آنے والے نبی کے ظہور کی پیش گوئی کی ہے۔ بہرحال چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کی مثال میں تمام انبیاء کی دعوت کی نظری تلقین اور انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر (جن میں ان کی زندگی کے عمرانی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی شعبے بھی شامل ہیں) اس کا عملی اطلاق دونوں اپنے کمال کو پہنچ گئے ہیں لہذا آپ بجا طور پر آخرالانبیاء قرار پائے ہیں اور "اسلام" کی اصطلاح بھی آپ ہی کی تعلیمات کے لیے جو قرآن اور سنت کے اندر موجود ہیں مخصوص ہوگئی ہے۔ چونکہ تمام انبیاء کی تعلیم بنیادی طور پر ایک ہی ہے اور اس کا سرچشمہ بھی جو خدا کی ذات ہے ایک ہی ہے۔ لہذا قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ جو شخص گذشتہ انبیاء میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے۔ وہ سچا مسلمان نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (۴:۲)

(متقی یعنی سچے مسلمان) وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲ : ۱۳۶)

(مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو کچھ اور پیغمبروں پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اس پر (ہم ان سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں۔

اسلام کی رُوح

اگر تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ لفظ "محبت" ہے۔ اسلام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ محبت کریں اور اپنی محبت کو جس قدر زیادہ پاکیزہ، یکسو خالص، بے لوث اور صمیم قلب سے صادر ہونے والی بنا سکتے ہیں، بنائیں اور پھر ان کی محبت ایسی ہو کہ وہ ہمیشہ عظیم سے عظیم تر کمال پاکیزگی اور خلوص کی جانب بڑھتی رہے اور اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی کمی، کمزوری یا مایوسی کے آثار پیدا نہ ہوں۔

اسلام کی ضرورت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبوت کا ظہور درحقیقت کارخانہ قدرت میں کسی مقصد کو پورا کرتا ہے؟ کیا انسان کو واقعی اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے کامل دائمی اور مخلصانہ محبت کی تربیت اور ترقی کا وہ طریقہ سکھایا جائے جس کی تعلیم انبیاء دیتے چلے آئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک کامل، پائدار اور مخلصانہ محبت ——— جو ایک نصب العین کے حصول کی والہانہ شکل اختیار کرتی ہے ——— انسان کی تمام فطری خواہشات میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے اور سب خواہشات پر غالب آنے والی خواہش ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ خواہش چونکہ انسان کی تمام دوسری خواہشات کو اپنے تابع رکھتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ دراصل اس کی فطرت کی ایک ہی خواہش ہے اور انسان اسی خواہش سے عبارت ہے اور نبوت کی اہمیت یہ ہے کہ صرف وہی انسان کی اس خواہش کی صحیح، مکمل اور مستقل تشفی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا نبوت کا عالم فطرت میں ایک خاص مقصد ہی نہیں بلکہ وہ کارخانۂ قدرت کے نظم و نسق کو چلانے کے لیے ناگزیر ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

پس (اے پیغمبر) آپ دین (یعنی توحید اور اس کے متضمنات) پر یکسوئی سے قائم رہیے۔ یہ (دین) انسان کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کوئی

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ — رد و بدل ممکن نہیں (لہذا) یہی دین پائدار ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ (۳۰ : ۳۰)

انسانی فطرت کا تجزیہ، انسان کی طبعی خواہشات کے دو درجے، انسان کی نچلے درجہ کی خواہشات

فطرت انسانی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی طبعی خواہشات کے دو درجے ہیں :-

اوّل : وہ خواہشات جو بحیثیت حیوان، انسان کی فطرت سے صادر ہوتی ہیں اور جنہیں انسان کی جبلّتی خواہشات کہا جاتا ہے۔ مثلاً خوراک کی خواہش، جنسی رابطہ کی خواہش، مخالف سے مقابلہ کرنے اور راستہ سے ہٹانے کی خواہش۔

ان جبلتی خواہشات کی امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں :

ا۔ یہ خواہشات انسان اور ان حیوانات میں مشترک ہیں جو درجۂ ارتقا میں اس سے فروتر ہیں مثلاً گائے، گھوڑا، اونٹ وغیرہ

ب۔ ان خواہشات میں ایک داخلی حیاتیاتی دباؤ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے حیوان ان کی تسکین کی جستجو پر مجبور ہوتا ہے۔

ج۔ ان خواہشات کی تسکین سے ایک خاص قسم کی مسرت یا آسودگی حاصل ہوتی ہے۔

د۔ ان کی تسکین حیوان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی صحت اور اپنی جسمانی نشوونما کو برقرار اور اپنی زندگی اور نسل کو محفوظ رکھے۔

انسان کی بلند تر درجہ کی خواہشات

دوم : وہ خواہشات، جو بحیثیت انسان، اس کی فطرت سے سرزد ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

ا۔ نصب العین کی خواہش۔

ب۔ اخلاقی عمل کی خواہش۔

ج۔ حصولِ علم کی خواہش۔

د۔ فنی تخلیق کی خواہش۔

ان خواہشات کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

ا۔ یہ خواہشات انسان کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں دوسرے حیوانات اس کے ساتھ شریک نہیں۔ حیوان اور انسان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک حیوان صرف جانتا ہے، محسوس کرتا ہے اور سوچتا ہے، لیکن ایک انسان صرف جانتا، محسوس کرتا اور سوچتا ہی نہیں، بلکہ جب وہ ایسا کرتا ہے تو یہ بھی جانتا ہے کہ وہ جان رہا ہے، محسوس کر رہا ہے اور سوچ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک حیوان صرف ذی شعور ہوتا ہے مگر ایک انسان خود شعور بھی ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے۔ جس کی وجہ سے حیوان اور انسان کی فطرتوں میں فرق پیدا ہوتا ہے، وہ خواہشات جو انسان سے خاص ہیں اس کی خود شعوری یا خودی کی خواہشات ہیں۔

ب۔ ان خواہشات سے کوئی حیاتیاتی اضطرار وابستہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ وہ آزاد خواہشات ہیں۔ جو فقط زندگی کی نفسیاتی سطح سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی تشفی کا راستہ جبلتوں کی طرح حیاتیاتی اعتبار سے معین نہیں ہوتا۔

ج۔ ان میں سے ہر خواہش کی تشفی سے ایک خاص قسم کی مسرت حاصل ہوتی ہے جو اپنی بہترین اور بلند ترین حالت میں اپنی کیفیت اور شدت کے لحاظ سے اس مسرت سے بدرجہا افضل ہوتی ہیں جو انسان کو جبلتی خواہشات کی تشفی سے حاصل ہوتی ہے۔

د۔ جب یہ اپنی بہترین اور بلند ترین صورت میں ہوں تو ان کی تشفی خود ان کی تشفی کی خاطر ہی عمل میں لائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی اور محرک یا مقصود نہیں ہوتا۔

طابع و ناشر: شیخ محمد اشرف

مطبع: اشرف پریس

مقام اشاعت: حدیث منزل ۷۔ ایبک روڈ انارکلی لاہور